غریب بھی ہے اور کشتۂ تیغِ ستم بھی۔

ایک امام مسجد سے تعارف امام صاحب حاجی زین العابدین بن سلطان توکل زید نے مجھے رابطۂ عالم اسلامی، مکہ معظمہ کا ایک خط دکھایا۔ یہ خط شیخ محمد علی الحرکان مرحوم کے دستخطوں سے ۱۹۶۲ء میں جاری ہوا ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ رابطہ کی طرف سے حاجی زین العابدین کو ۵۰۰ سو ریال ماہوار تنخواہ پر کینیا (مشرقی افریقہ) میں قرآن کریم کی تعلیم کے لیے مقرر کیا گیا ہے۔ خاکسار نے حاجی زین العابدین سے دریافت کیا کہ آپ ابھی تک کینیا کیوں نہیں گئے؟ اس نے جواب دیا کہ میری بیوی بلڈ پریشر کی مریضہ ہے۔ نہ اُسے یہاں چھوڑ سکتا ہوں نہ ساتھ لے جا سکتا ہوں۔ یہ تو حاجی صاحب کا جواب ہے لیکن مجھے رابطۂ عالم اسلامی کے اس فیصلے پر سخت افسوس ہوا۔ یہ ملک جس میں مورو مسلمان آزادی کی جنگ لڑ رہے ہیں اور تعلیمی لحاظ سے انتہائی پسماندہ ہیں۔ یہ ملک خود اصحابِ علم و دعوت کا محتاج ہے۔ یہاں سے کسی عالم کو اٹھا کر دوسرے دُور دراز ملک میں بھیج دینا دانش مندانہ فیصلہ نہیں ہے۔ اس ملک کے ساتھ سچی خیر خواہی یہی ہے کہ یہاں کے اہلِ علم و دعوت کو اسی قوم کے اندر کام پر لگایا جائے۔ امام زین العابدین اچھے سمجھدار، با اثر اور صاحبِ کردار مبلغ معلوم ہوتا ہے۔ ماہی گیروں کے اندر رہنا ہی اس کے لیے مفید ہے۔

فاطمہ ریستوران میں مسجد کے اندر چند اور مسلمانوں سے تعارف ہوا۔ ان میں سے ایک صاحب عبدالبیان تو بہت ہی گھل مل گئے۔ یہ محاذِ آزادی کے خدمت گاروں میں سے ہیں۔ مسجد سے نکل کر ہم کسی ریستوران کی تلاش میں نکل گئے تاکہ دوپہر کا کھانا کھایا جائے۔ عبدالبیان صاحب نے اس بارے میں ہماری خوب رہنمائی کی۔ وہ ہمیں ایک مسلمان خاتون کے ریستوران میں لے گئے جو تیسرے درجے کا ریستوران تھا۔ خاکسار نے عرض کیا کہ کسی اور ذرا بہتر ریستوران میں چلتے ہیں، عبدالبیان صاحب نے جواب دیا کہ ہر جگہ آپ کو چاول اور مچھلی کے بنے ہوئے کھانے ملیں گے۔ اس ریستوران اور اعلیٰ درجے کے ریستوران میں اس لحاظ سے کوئی فرق نہیں ہوگا، البتہ جو کھانا ہم یہاں ۲۰ بیسو میں کھائیں گے وہی کھانا اعلیٰ ریستوران میں ایک سو پیسو میں کھائیں گے۔ خاکسار اس کا جواب سن کر سراسیمہ ہو گیا اور

آخر اسی ریستوران میں فاطمہ نامی مورو مسلمان خاتون کا پکا ہوا کھانا کھایا۔ فاطمہ نے جب ٹیبل پہ کھانا سجایا تو مچھلی کی اتنی اقسام سامنے آگئیں کہ اس سے پہلے مچھلی کے ان کرشموں کا مجھے تجربہ نہیں ہوا۔ سائز کے لحاظ سے متعدد قسمیں اور پکانے کے لحاظ سے گوناگوں رنگ۔ رد یہ لوگ ماہی گیر ہیں اور اسی ایک جانور کو غذا بنا کر اس میں تنوع پیدا کر لیتے ہیں۔ کھانے پر ہم تین تھے: خاکسار، علی خنافی اور عبدالبیان۔ خوب پیٹ بھر کر کھایا۔ اور کل بل ۱۴ پیسو بنا۔

کاروبارِ زندگی میں عورتوں کا حصہ

فاطمہ ریستوران کا یہ پہلو تو اچھا نکلا۔ ریستوران تھا بھی صاف، مگر مجھے یہ بات اچھی نہیں لگی کہ ایک خاتون نے ریستوران کھول رکھا ہے اور اپنی نوجوان لڑکیوں کو بیرے اور خانسامے بنا رکھا ہے۔ یہی نہیں بلکہ ریستوران کو رونق بخشنے کے لیے ڈسکو گانوں کے ریکارڈ بھی آوازِ بلند سے چل رہے ہیں اور ایک لڑکی کاؤنٹر پر بیٹھی اس شغل کو اپ ڈیٹ کر رہی ہے۔ میں نے تو دونوں دوستوں کے سامنے اس پہلو پر سخت تنقید کی اور صاف عرض کیا کہ مجھے معاف فرمایئے، یہ بات اسلام کے قطعاً منافی ہے۔ عبدالبیان پر کھسیانا ہوا۔ پہلے تو خاموش رہا۔ پھر جرأت کر کے کہنے لگا: "یہاں مسلمانوں کے لیے یہی کام رہ گئے ہیں، وہ اور کیا کام کریں۔" میں نے عرض کیا: "مرد یہ کام کریں" کہنے لگا: "مرد بھی کرتے ہیں اور عورتیں بھی۔ ہمارا معاشرہ مخلوط ہے۔" بہرحال یہ ایک ایسی عام وبا ہے کہ اس میں کسی شخص کو ہدفِ تنقید بنانا لاحاصل ہے، مگر میں نے دل میں یہ طے کیا کہ مورو محاذ کے ذمہ دار لوگوں سے اس موضوع پہ بحث کروں گا۔

کھانا کھا کر باہر نکلے اور ٹہلتے ٹہلتے اپنے ہوٹل کا رُخ کیا۔ بازار میں گزرتے وقت مزید دل خراش مناظر ملے۔ پورے بازار میں فٹ پاتھوں پر بھی اور کھوکھوں میں عورتیں، بوڑھی اور جوان بھی بیٹھی ہوئی ہیں۔ ہر ایک نے تھوڑا تھوڑا سودا لگا رکھا ہے۔ کسی کے پاس دو چار مرغیاں ہیں، مرغی کی قیمت ۴۰ پیسو۔ کسی کے پاس انڈے، دو پیسو فی انڈہ۔ کوئی لکڑی کے گٹھے لے کر بیٹھی ہوئی ہے، کوئی ماچس اور موم بتی۔ کسی کی چھابڑی میں امرود اور سگریٹ۔ ان کے لباس بھی کوئی ڈھنگ کے نہیں ہیں۔ دکانداروں اور خریداروں میں بے تکلفی کی بھرپور نمائش پائی جاتی ہے۔

دریائے کوتاباتو چند قدم آگے نکلے تو ان کھوکھوں کی پشت پر دریا نظر آیا۔ اسے دریائے کوتاباتو کہتے ہیں۔ شمال میں پارانگ (PARANG) سے نکلتا ہے اور جنوب میں داؤ (DAVAO) میں جا گرتا ہے۔ یہ میں نے اس لیے بیان کر دیا کہ بعد میں مجھے معلوم ہوا کہ یہ مجاہدین مورو کا دریا ہے۔ مینڈاناؤ میں ان کی ساری سرگرمیاں اس دریا کے اندر اور اس کے آر پار جاری رہتی ہیں۔ اس کا پاٹ بہت بڑا ہے۔ چپو سے چلنے والی کشتیوں سے لے کر سٹیمر تک اس میں چلتے ہیں۔ مزید تفصیل آگے کہیں آئے گی۔

کوتاباتو شہر کے وسط میں سے یہ دریا گزرتا ہے۔ دریا کا شمالی علاقہ خوشحال ہے اور جنوبی علاقہ غریبوں کا مسکن ہے۔ دریا کے دونوں کناروں پر اور ہر کنارے کے اندر بھی کسی حد تک لوگوں نے اپنے جھونپڑے بنا رکھے ہیں۔ عبدالبیان نے جھونپڑوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ یہ فقراء کے مکانات ہیں۔ خود میرا مکان بھی دریائی جھونپڑا ہے۔ دریا کے کنارے یا اندر جھونپڑا بنانے پر کوئی پابندی نہیں ہے، اس لیے جو لوگ زمین کا ایک مرلہ بھی نہ خرید سکتے ہوں وہ یہاں جھونپڑا بنا لیتے ہیں۔ عبدالبیان یہ بات کرتے ہوئے ہنستا بھی جا رہا تھا جیسے وہ اپنی تقدیر پہ پھبتی کس رہا ہو۔ شمالی علاقہ کی خوشنما عمارتیں اور جنوبی علاقے کے کلبہ ہائے احزان، یہ عجب منظر ہے۔

لطافت بے کثافت جلوہ پیدا کر نہیں سکتی
چمن زنگار ہے آئینۂ بادِ بہاری کا

دریا کے پل پر کافی دیر تک ہم کھڑے رہے۔ برہنہ تن کشتی بان دریا کے اندر اپنی اپنی کشتیاں لیے پھرتے ہیں۔ چند موٹر بوٹیں بھی گزریں۔ سٹیمر بھی سیاحوں کو لیے لیے گھومتا پھر رہا ہے۔ جھونپڑوں سے نیچے اتر کر مرد اور عورتیں دریا میں غسل کر رہے ہیں۔ پانی ان کا اوڑھنا بھی ہے اور بچھونا بھی۔ اس دریا نے یہاں بڑے انقلابات دیکھے ہیں۔ مسلمانوں کی عظمت کے اس نے گیت گائے۔ اسپین کے تباہ کن حملوں اور اسپینی درندوں کے ظلم و ستم پہ یہ زار زار رویا کیا۔ امریکی استعمار اور پھر جاپانی استبداد بھی اس کی چھاتی پہ مونگ دلتا رہا۔ اور اب صلیب پرست مارکوس کی خونخوار فوجیں رہ رہ کر اس کے پانی کو خون مورو سے رنگین

کر رہی ہیں۔ دریا نے یہ تمام انقلاباتِ زمانہ دیکھے، مگر موررو سے اُسے جو محبت ہے اُس میں بے وفائی نے راہ نہیں پائی۔ اگر موررو کو کہیں کھانے کو نہیں ملتا تو یہ انہیں اپنی نوع بنوع مچھلیاں پیش کر دیتا ہے اور اگر انہیں ہینڈا ناؤ کی دھرتی جگہ نہیں دیتی تو یہ اپنا دامن اُن کے لیے وا کر دیتا ہے۔ اس کی موجیں اور موررو کے دلوں کی دھڑکنیں ایک ساتھ چلتی ہیں۔ بس شاد باش و شاد زی اے موررو کے ہمدم و ہمسفر۔ تو بہتا جا اور عراق دل نشین کے ساز کو چھیڑتا جا۔ وہ دن آنے والا ہے جب تیرے اندر صلیب عکس ریز ہونے کے بجائے توحید کے میناروں کا رُخ تاباں جھلکے گا۔ ناقوس تثلیث کے بجائے اذانِ وحدانیت تیرے نغموں سے ہم آہنگ ہو گی ؎

نکل کے صحرا سے جس نے روما کی بستیوں کو اُلٹ دیا تھا
سُنا ہے یہ قدسیوں سے میں نے وہ شیر پھر ہوشیار ہو گا

ماہی گیر مجاہد

عبدالبیان نہایت سادہ اور درویش انسان ہے۔ اس کا لباس بھی نہایت معمولی ہے، مگر اس کے چہرے پر ہر وقت مسکراہٹ بکھرتی رہتی ہے۔ عربی بولنے کا اُسے بہت شوق ہے۔ بول لیتا ہے، مگر تکلف کے ساتھ۔ اظہار مافی الضمیر میں کامیاب ہو جاتا ہے باتیں تو اُس کی سادہ ہیں، مگر بڑی پُر سوز اور اثر آگیں۔ مجھے کہنے لگا: "ھل تشرف فی غنشی؟" ان الفاظ کا میرے دل پر جو اثر ہوا میں بیان نہیں کر سکتا۔ شاید اُس نے بڑی سوچ کے بعد یہ الفاظ زبان سے ادا کیے ہوں گے۔ ان الفاظ کے معنی یہ ہیں کہ: "کیا آپ میرے گھونسلے کو شرف بخشیں گے؟" اُس کے یہ الفاظ محبت اور ندامت دونوں کا عجیب امتزاج ہیں۔ محبت اُسے مجبور کر رہی ہے کہ مجھے اپنے گھر بُلائے اور ندامت اس بات پر ہو رہی ہے کہ مہمان کو کُٹیا دکھا کر کیا کروں گا۔ میں نے اُسے زیادہ تشویش میں نہیں ڈالا۔ فوراً عرض کیا: میں آپ کے گھر ضرور حاضری دوں گا، مگر مغرب کے بعد۔ میری اس تجویز کا مطلب یہ ہے کہ دن جن باتوں کو طشت از بام کر دیتا ہے رات کی تاریکی اُس پر پردہ ڈال دیتی ہے۔ میری حاضری سے عبدالبیان کو خوشی ہو نہ کہ ندامت اور کہتری کا احساس ؎

تاریکی ہی غنیمت تھی فرازؔ چاند نکلا تو دل ڈوب چلا

غیر مسلم آبادی کے رنگ و روپ

خاکسار، علی غنافی اور عبدالبیان واپس انگورا زول آ رہے تھے۔ واپسی پہ ہم ایک ایسے بازار سے گزرے جس کی دکانیں اور سٹور چکاچوند رکھتے تھے۔ سامان بھی خوب تھا۔ کپڑے کی دکانیں، جوتے اور کراکری کی دکانیں، زیورات اور سامانِ زیبائش کے شوکیس۔ علی غنافی میرا استفہامیہ چہرہ پڑھتے ہی بولا: یہ تمام عیسائیوں کی دکانیں ہیں۔ یہ بنک اور یہ کمپنیاں عام طور پر عیسائیوں کی ملکیت ہیں۔ ان میں مقامی عیسائی بہت کم ہیں۔ زیادہ تر لوزان اور بیسایا آئی لینڈ سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان دکانوں میں ایک خاصا بڑا جنرل سٹور تھا جس کا مالک ایک یہودی ہے۔ علی کہنے لگا: یہ معلوم نہیں کہ یہ یہودی کہاں سے آگیا۔ فلپائن کے اصل باشندوں کے اندر تو کوئی یہودی خاندان نہیں ہے۔ ایک اور بڑی عمارت کی طرف انگلی اٹھا کر علی نے بتایا کہ یہ ایک حضرمی عرب کی کمپنی ہے۔ اس کا نام عمر باجنید ہے۔ یہ کافی عرصہ سے یہاں کاروبار کر رہا ہے۔ اس ملک پر اس کا احسان یہ ہے کہ اس نے سب سے پہلے یہاں مسلمانوں کے لیے ایک تعلیمی ادارہ قائم کیا۔ بہت سے علما اس کے ادارے کے تعلیم یافتہ ہیں۔ اور وہ فخر سے کہتے ہیں کہ ہم "جنیدی" ہیں۔

چلتے چلتے جب شہر کے وسط میں اُسی پارک میں آگئے جس کا پیچھے ذکر گزر چکا ہے تو علی پارک کی دیوار پر بیٹھے ہوئے ایک شخص کو لپک کر ملا۔ جس نے میلی کچیلی پتلون اور معمولی قیمت کی شرٹ پہن رکھی تھی۔ اس دیوار پر خوانچے والے بیٹھتے ہیں یا بے روزگار لوگوں کے لیے یہ وقت گزارنے کی جگہ ہے۔ علی نے اپنے دوست کا تعارف کراتے ہوئے کہا کہ ان کا نام برشلونہ ہے (عجیب و غریب نام) اور یہ صاحب مینڈاناؤ کے ایک قدیم حکمران سلطان کُبُنتلان کے خاندان کے چشم و چراغ ہیں۔ یہ گردشِ زمانہ ہے، شہزادہ صاحب کے آباؤ اجداد حکمرانی کرتے رہے ہیں اور موصوف فٹ پاتھوں پر بیٹھے ہوئے غالب کے اس شعر کا مصداق بنے ہوئے ہیں ؎

دیکھو مجھے جو دیدۂ عبرت نگاہ ہو
میری سنو جو گوشِ حقیقت نیوش ہے

رسائل و مسائل

اسلامی تصوّرِ معرفت

سوال:- مسلمانوں کا ایک گمراہ گروہ "معرفت" کے نام پر قرآن کریم کی ان تعلیمات کو جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس لائے، ہندو دیو مالا کے پنڈتوں کے اعمال کے مماثل ثابت کر رہا ہے۔ ہم اس بات کو دینِ اسلام کی اہانت قرار دیتے ہیں۔

حدیثِ نبوی کے ان الفاظ کی بنا پر کہ اَلْاَوَّل لِلدِّین المعرفۃ ماننے والے ان افراد کے گروہ نے اسلام کی فرض قرار دی ہوئی روزمرہ کی پنجگانہ نماز کی ادائگی کی بہ نسبت زیادہ اہمیت، مقامِ معرفت کے حصول کو دے رکھی ہے۔

یہ گروہ کسی ایسے شیخ کو اپنا دینی مرشد مانتا ہے جس سے یہ قول منسوب ہے: مَنْ لَّمْ یَکُنْ لَہٗ شَیْخٌ فَشَیْخُہٗ شَیْطَانٌ۔ حصولِ معرفت کی راہ میں یہ گروہ اس قول کو اپنے لیے زادِ راہ بنا رہا ہے۔

ہمیں بڑی مسرت ہوگی اگر آپ کرم فرمائی کر کے معرفت کے موضوع پر کچھ روشنی ڈال سکیں اور ہمیں بتائیں کہ وہ کون لوگ ہیں جنہیں اس راہ کے سالک بننے کا حق حاصل ہے، نیز یہ واضح کریں کہ انسان کب اور کیونکر منزلِ معرفت تک رسائی حاصل کر سکتا ہے۔ اور اس منزل پر پہنچنے کی غایت کیا ہے۔ ہم اس باب میں تفصیلی وضاحت کا خیر مقدم کریں گے تاکہ ہم اس گمراہ گروہ کو قائل کر کے صراطِ مستقیم پر لا سکیں اور ایسے برخود غلط مرشدوں کی باتوں پر کان دھرنے سے روک سکیں جو اعزاض کے بندے ہیں۔

جواب: "معرفت" کا لغوی معنی پہچان ہے۔ یہ علم کا ابتدائی درجہ ہے۔ کائنات اس کے عجیب و غریب اور مستحکم نظام کو دیکھ کر اس کے بنانے والے کے وجود، علم، قدرت اور حکمت کا علم ہوتا ہے اور اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ وہ اتنی زبردست قدرت والا ہے کہ وہ باحکمت ہے۔ اس کائنات کو وجود دینے والا اور اس کے نظام کو چلانے والا ہے۔ وہی کائنات اور اس کے اقتدار کا مالک ہے جسے چاہتا ہے عزت دیتا ہے، جسے چاہتا ہے ذلت سے دوچار کر دیتا ہے۔ اسی کے قبضۂ قدرت میں بھلائیاں ہیں۔

"قل اللھم مالک الملک تؤتی الملک من تشاء و تنزع الملک ممن تشاء و تعز من تشاء و تذل من تشاء بیدک الخیر انک علیٰ کل شیئ قدیر"

اس معرفت کے نتیجے میں انسان کے دل میں خالقِ کائنات کے لیے عظمت اور محبت پیدا ہوتی ہے، دوسری تمام چیزوں کو اس کی قدرت کا کرشمہ سمجھ کر ان کے ساتھ اسے مساوات کا احساس ہوتا ہے، جس کے نتیجہ میں وہ اپنے سمیت سب کو اللہ کا غلام دیکھنا چاہتا ہے۔ اس کی فطرت اللہ تعالیٰ (اپنے خالق و مالک اور محسن و مربی) کے احکام کی طلب کرتی ہے۔ اس کی فطری طلب کا جواب اللہ تعالیٰ کی طرف سے "رسالت و نبوت" کے نظام سے دیا گیا ہے۔ اس نے اپنے رسولوں کے ذریعے اپنے احکام اپنے بندوں تک بھیجے تاکہ "ان الحکم الا للّٰہ" (حکمرانی کا حق صرف اللہ کے لیے ہے) اور "الا لہ الخلق والامر" (سنو وہی پیدا کرنے والا ہے اور اسی کو حق حکمرانی ہے) کی فطرت حقیقت اور پکار کے مطابق انسانی زندگی کا نظام استوار ہو۔

انسان کا اپنی اور کائنات کی اس حقیقت کو سمجھنا اور اپنے اور کائنات کی چیزوں کے مقام کو پہچاننا اور اپنے اور کائنات کے خالق اور اس کی صفات کا ادراک اور اس کے نتیجہ میں بندگی رب کا جذبہ اپنے اندر پیدا کرنا معرفت ہے۔ اس معرفت کے حصول کے لیے اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل و حواس کی نعمتوں سے نوازا اور کائنات کو ایک کتاب معرفت بنایا۔ لیکن اس نے کمال رحمت سے مزید انعام یہ فرمایا کہ انسانی رہنمائی کے لیے انسانوں میں سے بعض برگزیدہ

شخصیات کو انسانوں کی رہنمائی کے لیے منتخب فرما کر اپنے احکام کا حامل بنایا اور ان کے ذریعے کائنات کی کتاب معرفت" کی تعلیم کا انتظام فرمایا اور وہ نظام زندگی جس کی فطرت انسانی طلب گار تھی جس کے ذریعہ انسان نے اللہ کی غلامی اور بندگی کے جذبہ کی تسکین کرنا تھی، بھی انھی کے ذریعہ انسانوں کو دیا۔

مذکورہ تصورات اور حقائق کے جاننے کا نام معرفت ہے لیکن محض معرفت ذریعہ نجات نہیں، ذریعہ نجات معرفت سے اُوپر کا درجہ ہے جسے ایمان کہا جاتا ہے۔ ایمان کے ساتھ عمل صالح شامل ہو یعنی بندگیٔ رب عملاً پورے طریقے سے کی جائے تو مکمل نجات ہے اور بندگی رب میں نقص رہ جائے لیکن ایمان ہو تو نجات پھر بھی ہو جائے گی، لیکن بندگی میں کوتاہی کا نتیجہ بھگتنے کے بعد۔

انسانوں کے لیے جس قسم کے مرشد کی ضرورت تھی اُس کا ذکر مذکورہ بالا سطور میں آپ کے سامنے آگیا ہے کہ وہ ایسی شخصیت ہوتی ہے جسے اللہ تعالیٰ اپنے احکام کا حامل بناتا ہے اور وہ وحی کے ذریعے کتابِ کائنات کا انسانوں کو مطالعہ کراتا ہے۔ اس کی یہ تعلیم اور مطالعہ خود اس کی اپنی طرف سے نہیں ہوتا بلکہ اللہ تعالیٰ اسے وحی کے ذریعے اس پر نازل کرتا ہے۔

مختصر یہ کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے لیے معرفت اور ایمان کا انتظام اس طرح فرمایا کہ ایک طرف انھیں عقل و حواس کی نعمتوں سے نوازا اور کائنات میں علم و معرفت کے اسرار رکھ دیے تاکہ وہ عقل و فکر اور حواس سے کام لے کر ان اسرار و رموز کو معلوم کر لیں اور پھر انبیا علیہم السلام کے ذریعے مزید رہنمائی فرمائی۔ اس سلسلے کا آغاز حضرت آدم علیہ السلام سے کیا گیا اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اس کا اختتام ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کتاب و سنت کی شکل میں علم و معرفت کے سارے اسرار و رموز اللہ تعالیٰ نے عنایت فرمائے۔ اب علم و معرفت کا راستہ صرف اللہ کی کتاب اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔

اس معرفت کے حصول کے لیے سب سے پہلی شرط تو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کا علم حاصل کرنا ہے اور دوسرا کام اس نظام کو اپنانا ہے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی